بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی ٔاکرم ﷺ کا نوعِ انسانی پر ایک عظیم احسان

بلا تفریق وامتیاز تمام انسانوں کیلئے ضمیر اور عقیدہ کی مکمل آزادی کا اعلانِ عام

اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعزاسمہ نے سید ومولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو قیامت تک کل جہان کا رسول بنایا ہے اسی لئے قرآن مجید میں آپ کو رحمت اللعالمین کے لقب سے نوازا گیا۔دراصل رحمت اللعالمین رب اللعالمین کا مظہر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی ربوبیت فرماتا ہے اسی طرح رحمت اللعالمین کی شفقت کا سایہ تمام کائنات پر اور خاص طور سے تمام تمام انسانوں پر ہے۔خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، کالے ہوں یا گورے، شرقی ہوں یا غربی، مسلم ہوں یا غیر مسلم ،کیوں کہ آپ کو رحمت المسلمین نہیں فرمایا گیا بلکل اسی طرح جسطرح اللہ جل شانہ نے خود اپنے لئے باوجود یدنِ کامل بھیج دینے کے رب المسلمین کہلوانا پسند نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو رب اللعالمین مانتے ہوئے یہ لازمی ہے کہ ہر مسلمان تمام انبیاء پر ایمان لائے اور ہر قوم کا الٰہی ہدایت سے سرفراز ہونا بھی ہمارا جزو ایمان ہے۔یہ ایک عقیدہ ہی اسلام کو تمام ادیانِ عالم میں ممتاز کردیتا ہے کہ صرف یہی ایک دین ہے جو اتحاد بین المذاہب کو اس ارتقاء کا نقطہٗ عروج قرار دیتا ہے جو عالم انسانیت میں سب کو دکھائی دیتا ہے۔جب اقوامِ عالم یا قبائل آپس میں بٹے ہوئے تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی اور روابط پیدا ہونا اتنی آسان بات تھی کہ آن واحد خبر دوسری جگہ پہنچ جائے تو گویا ہر قوم اور زبیلہ دنیا اپنی دنیا تھی۔اور ہر یونٹ اپنی جگہ الناس کی علامت تھا۔جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا تعلقات اور روابط کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی گئی اچھا ہوتا کہ اس وسعت کے ساتھ ان کی کا شعور بھی قائم رہتا۔لیکن یہ جانتے ہوئے سب سناسن ہیں سب ایک خدا کے پیدا کروہ ہیں۔سب کو اس کا ایک سورج، ہوا اور پانی اور کرۂ ارض زندہ رہنے میں یکساں طور پر ممدو معاون ہیں اور پھر یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ ہر ایک قوم یا نسل انسانی اس امر کی دعویدار ہے کہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی الٰہی فررستادہ الہام اور وحی کی بنیاد پر خالقِ اکائنات اور رب العالمین کی طرف سے اس دن کی یاد دلانے آیا جب سب کو اس مالکِ حقیقی کے سامنے اپنے اعمال اور افعال کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔یہ سب جاننے کے باوجود ایک دوسرے کو جھٹلانے

لگے اور صرف اپنے نبی اور فرستادۂ الٰہی اور اپنے صحیفہ کو برحق ماننے کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا جانے لگ اکہ دوسرے جھوٹے ہیں گویا اپنی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہی پڑی کہ دوسرا جھوٹا ہے۔یہیں سے دنیا میں فساد کی جڑ شروع ہوئی اور رب العالمین کی ربوبیت عامہ میں خلل ڈالنے کی کوشش ہوئی جس طرح سورج، ہوا، پانی، خاک تمام انسانوں کی جسمانی نشونما بلا لحاظ اور یکساں طور پر کرتے ہیں ایسے ہی روحانی ہدایت سے بھی سب کو متمتع ہونا لازمی تھا یہی اتحاد بین الناس کا سبق ہر نبی لے کر آیا کہ جس طرح کرۂ ارض کائنات میں ایک یونٹ ہے اسی طرح اس میں بسنے والے بھی امت واحدہ بن کر رہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے

کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ (البقرۃ : ۲۱۳)

سب انسان امت واحدہ تھے پھر اللہ نے انبیاء کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا اور ان کیس اتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کے متعلق جن میں انہوں نے اختلاف پیدا کرلیا تھا فیصلہ کرے

اکمال دین اور لولاک لما خلقت الافلاک

معلوم ہوا دنیا میں فساد انسانوں کے آپس کے اختلاف میں اس شدت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک خدا کے پیدا کردہ نہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور رب ہونے کی وجہ سے اپنا نبی بھیجتا رہا تاکہ وہ پھر سب کو جو جو اس کے مخاطب ہیں ایک وحدت میں پرو دے۔جوں جوں انسانوں کے اختلافات دور ہوتے جائیں اتنا ہی ان کے قدم امت واحدہ بننے کی طرف بڑھتے چلے جائیں اور یہی منزل تھی جس کو آخر اسلام کا نام دیا گیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن مجید میں فرمایا کہ تمام انبیاء نحن لہ مسلمون ہی کہتے چلے آئے گو ان کی امتیں کبھی مسلمان نہ کہلائیں کیونکہ انبیاء کو تو اپنی روحانی فراست کی وجہ سے وحدت انسانی کا شعور حاصل تھا لیکن ان کی امتیں ابھی زمینی فاصلوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے اتنی دور تھیں کہ سب کو ملا کر امت واحدہ کا عمل فی الحال ناممکن تھا۔

بنیادی صداقتیں تو تمام مذاہب میں موجود ہیں۔ایک خدا کا اقرار، اس کی طرف سے آنیوالی ہدایت کا اقرار، معاشرہ میں اخلاقی برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں کا شعور، سب باتیں تمام مذاہب میں پائی جاتی ہیں۔کیا صرف شراب

اور خنزیر کی ممانعت یا چند جرائم کیلئے تفریری حدود قائم کرنے یا عورت کو ورثہ میں حق دلانے کا نام اسلام ہے؟ کیا ان چند امور کیلئے ایک ایسے وجود کی ضرورت تھی جس کو لولاک لما خلقت الافلاک کی شان اور علوم مرتبت سے سرفراز کیا جائے؟ نہیں ! وہ شعور جو فردا فردا انبیاء میں تو موجود تھا اب قوموں میں پیدا کرنے کا وقت آگیا تھا۔اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف اپنے مسلمان ہونے کا ہی اعلان نہ فرمایا بلکہ ہر فرد کو دعوت دی کہ امت مسلمہ قائم ہوگئی اور میرے دامن سے وابستہ ہو کر ہر انسان یہ حق حاصل ہوگیا کہ وہ انبیاء کا نعرہ نحن لہ مسلمون لگا کر اپنے رب کا قرب حاصل کرلے کیونکہ یہ بشارت رسول مقبول ﷺ کے طفیل صرف مسلمانوں کو ہی ملی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا(المائدہ : ۴)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کردیں اور تمہارے لئے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا ہے۔

دین کے کامل ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وحدت انسانی کی اس ارتقاء میں جو نقطۂ عروج محمد ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو حاصل ہوا اس کے فرائض کی ادائیگی میں رسول کیساتھ اس کی امت بھی ذمہ داری میں اس کے ساتھ شامل ہے فرمایا

وجاهدوا فی اللہ حق جهاده هو اجتبٰكم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابیکم ابراهیم هو سمٰكم المسلمین من قبل وفی هذا لیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونوا شهداء علی الناس فاقیموا الصلٰوۃ وآتواالزکٰوۃ واعتصموا باللہ هو مولکم فنعم المولٰی ونعم النصیر (الحج : ۷۹)

اور اللہ کے راستے میں ایسی مکمل کوشش کرو جو اس کا حق ہے۔اس نے تم کو بزرگی عطاء کی اور دین کی تعلیم میں تم پر کوئی تنگی عائد نہیں کی۔اے مومنو! اپنے باپ ابراہیم کے دین کو اختیار کرو اللہ نے تمہارانام مسلم رکھا ہے۔ اس کتاب میں بھی اور اس سے پہلی کتابوں میں بھی۔تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم باقی دنیا پر گواہ رہو۔پس نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو وہ تمہارا مولٰی ہے۔پس کیا ہی اچھا مولٰی ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

گویا جو دعا حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل علیھم السلام کے ساتھ امت مسلمہ کیلئے مانگی تھی

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (البقرہ : ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت مسلم بنا۔

اللہ تعلالیٰ نے ہمارے رسول مقبول محمد ﷺ کی ذات مستودہ صفات میں اس دعا کی قبولیت کا عظیم الشان اظہار فرمادیا اور حضور پر نور کے متبعین کو اجازت مرحمت فرمائی کہ

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم واسماعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النمبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (البقرہ:۱۳۷)

کہو ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اس پر وہ جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اسمٰعیل اسحق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا تھا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا تھا اور اس طرح اس پر بھی جو کچھ باقی انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا تھا۔ایمان رکھتے ہیں ہم ان سب کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کیلئے ہی مسلم یعنی اس کے فرمانبردار ہیں۔

اسلامی جنگوں کا مقصد

تاریخ عالم شاہد ہے کہ انسان اول دن سے لڑتا آیا ہے۔اور انبیاء ہر قسم کی لڑائیوں کو ختم کرنے آتے رہے ہیں۔افسوس بعض جنگیں مذہب پر غلط طور پر عمل کرنے سے بھی ہوتی رہیں۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیشہ دین کو وحدتِ انسانی کیلئے بھیجا۔کم از کم اسلام کے ذریعہ تو مذہبی تعصبات اور نفرتوں کی جنگوں کا خاتمہ ہوجانا چاہئے اور یہی وجہ تھی کہ جب مسلمانوں کو صرف اور صرف دفاع میں جنگ لڑنے کی اجازت دی تو ان کو صاف کہدیا کہ تم اس لئے لڑرہے ہو کہ مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہوجائے۔اللہ تعالیٰ نے صرف اس جنگ کو اپنی جنگ قرار دیا جو محض اس کے دین کے مٹانے کیلئے حملہ کے جواب میں لڑی جائے۔حملہ کرنے والے بھی جانتے تھے اور برملا کہہ رہے تھے کہ ان کے حملوں کی اصل وجہ دینی اختلاف ہے۔جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے :

اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (الحج : ۴۰-۴۱)

ان لوگوں کو جن سے بلا وجہ جنگ کی جارہی ہے جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنکو صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارار رب اللہ ہے اپنے گھروں سے نکالا گیا ۔

گویا جھگڑا صرف ایک بات کا ہے کہ اللہ سب جہانوں کا رب ہے اور ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ پرورش کررہا ہے زبردستی مٹائی نہ جائے جب کسی کی ماری ضروریات روکی جاتی ہیں تو انسان ان کے پورا ہونے کا انتظام کرلیا کرتا ہے مشکل اس وقت پڑتی ہے جب انسان کے ضمیر کی آزادی دل کے اطمینان اور ذہنی سکون پر قدغن لگائی جاتی ہے اور دوسرے کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ صرف اور صرف وہی عقیدہ رکھے جو اس سے زیادہ طاقتور کا عقیدہ ہے تو اس وقت ان کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اس بنیادی حق کی حفاظت کیلئے اپنی جان کی مال کی اور ہر اس چیز کی جو ان کو عزیز ہے قربانی دینے کیلئے تیار ہوجائیں۔تاکہ دنیا یہ نہ کہے کہ یہ جو کاموش ہو گیا تو شاید اس کو یقین ہوگیا کہ وہ جھوٹا تھا۔فرمایا اس بات کی اجازت ہم کسی کو نہیں دیتے۔حتیٰ کہ مسلمانوں کو بھی اجازت ہے تو صرف ان سے لڑنے کی جو طاقت کے نشہ میں مخمور اور دولت کے گھمنڈ میں مغرور ہماری ربوبیت میں خلکل ڈال رہے ہیں اور ضمیر کو کچلنا چاہتے ہیں۔پس اٹھو اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جان دے دو۔تاکہ کوئی تم کو بزدلی کا طعنہ نہ دے۔ بیشک تم کمزور ہو اور تمہاری فتح کا امکان نہیں لیکن اصل فتح تو اللہ کی مدد سے آئے گی ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس بنیادی حق کی حفاظت میں مذہبی معصیت نہیں ہونی چاہیئے بلکہ بلا امتیاز مذہب وملت بلا تفریق عقیدہ اور ایمان تم سب کے ضمیر کی آزادی کیلئے دیوانہ وار لڑو کیونکہ فرمایا

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (الحج : ۴۱)

اس لئے جو انسان سے اس کا یہ بنیادی حق کہ وہ اللہ کی عبادت کرے چھینتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اور جو اس بنیادی حق کی حفاظت میں اللہ کے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے وہ اللہ کا دوست ہے اس لئے اللہ بھی اس کی مدد کرے گا۔فرمایا:

ولینصرن اللہ من ینصرہ (الحج : ۴۱)

اور اللہ یقینا اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔

یعنی انسانی ضمیر کی آزادی بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تحت ہی قائم ہے اس لئے ضمیر مسخ نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ ایک آدمی ہو اور وہ اپنی مرضی کیمطابق اللہ کی عبادت کرے اور سارے اس عبادت کو غلط سمجھتے ہوں تو جب تک وہ دوسروں کے ضمیر کی آزادی کا اقرار کرتا ہے اس وقت تک وہ اکیلا سب پر بھاری ہے کیونکہ یہ ضمیر کی آواز ہے جس نے ہمارے سوال

الست بربکم

کیا میں تمہارار رب نہیں

یعنی تمہاری روحانی ربوبیت کون کرتا ہے کے جواب میں "بلیٰ" کہا ہے یعنی ہاں تو ہمارا رب ہے۔اگر دنیوی معاملات میں ایک گلیلو اور ایک نیوٹن اس بنا پر غلط نہیں ہوسکتے کہ اکثریت اس کے خلاف ہے تو پھر کسی کو یہ کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے دین یا عبادت یا اطمینانِ قلب کے حصول کو طاقت اور مادی وسائل کی فراوانی کے بل بوتے پر صحیح سمجھتے ہوئے دوسرے کو اس حق سے محروم کردے۔چنانچہ چودہ سو سال قبل جب مادی اور سیاسی لحاظ سے ایک کمزور انسان کو عرب کے طاقتوروں نے دبانے کی کوشش کی تو اللہ تعلایٰ نے اسکو یہ کہہ کر تقویت پہنچائی

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر (الحج : ٦٨)

ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کا طریق مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ ہماری عبادت کرتی ہے۔(اب کفار کو چاہئے کہ) وہ اسلام کے بارے میں تجھ سے کوئی جھگڑا نہ کریں۔

رب العالمین اور مذہبی آزادی کا حق

جو آزادی اس وقت کفار کو حاصل تھی وہی ہمارے نبی اکرم ﷺ کو ہونی چاہئے تھی اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے دائرہ اختیار سے باہر آگئے تو پھر بھی انہوں نے آپؐ کو یہ حق دینے سے انکار جاری رکھا اور آپؐ پر

حملہ کیا تاکہ آپؐ کے دین کو مٹادیں اور آپؐ سے ضمیر کی یہ آزادی چھین لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس انسانی حق کے دفاع کی خاطر لڑنے کی اجازت دی اور ناکافی وسائل کے باوجود لڑنے کا حکم دینے کے معنی یہی ہیں کہ آپؐ کو مردانہ وار قربان ہوجانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہدیا کہ تم لڑتے وقت دوسروں کے اس حق کو نہ چھین لینا بلکہ جو میری اس ربوبیت میں خلل نہیں ڈال رہے اور امن سے تمہارے ساتھ تنازعہ کے بغیر اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق میری عبادت کررہے ہیں ان کو یقین دلادو کہ ہم کسی کو تمہارے حق سے تم کو محروم نہیں کردیں گے۔ فرمایا:

ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فالٰھکم الہ واحد فلہ اسلموا وبشر المخبتین (الحج : ۳۵)

اور ہر ایک قوم کیلئے ہم نے قربانی کا طریق مقرر کردیا ہے۔ تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اللہ کی ان کو عطا ہے اللہ کا نام لیں (یعنی اللہ کے حضور ان کی قربانی پیش کریں) تمہارا خدا ایک خدا ہے پس تم اس کے فرمانبردار ہو جاؤ اور جو خدا کے سامنے جھکتے ہیں (یعنی جو جسطرح خدا کی عبادت کرتا ہے) اس کو خوشخبری دے دو۔

یعنی ہم تم سے زبردستی تمہاری آزادئ مذہب اور عبادت کا حق تم سے نہیں چھینیں گے خواہ وہ ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے غلط ہی سہی کیونکہ دین کے معاملہ میں فیصلہ کرنا انسان کے ہاتھوں میں نہیں۔ ہاں انسانوں کو اجازت ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت خاص طور روحانی ربوبیت کے جس طریق کو صحیح سمجھیں اس کی طرف دوسروں کو بلائیں لیکن ان پر جبر نہ کریں۔ فرمایا:

وادع الی ربک انک لعلیٰ ھدی مستقیم وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون۔ اللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ فیما کنتم فیہ تختلفون (الحج : ۶۸-۷۰)

اور تو انہیں اپنے رب کی طرف سے دعوت دے کیونکہ تو صحیح راستہ پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہہ دے کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اللہ قیامت کے روز ہمارے درمیان تمہارے اس اختلاف کا فیصلہ کردے گا۔

اگر کسی کو زبردستی اپنی مرضی کا دین دوسروں سے منوانے کا حق ہوتا تو وہ صرف اللہ کی ذات تھی کہ جو دین دنیا میں بھیجتا رہا اور اس کو سب قدرت بھی حاصل ہے۔لیکن اس نے بھی اس معاملہ میں انسان پر جبر کرنا مناسب نہ سمجھا۔جیسے قرآن مجید میں فرمایا:

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا المؤمنین (یونس:۱۰۰)

اور اگر اللہ اپنی ہی مرضی کو نافذ کرتا تو زمین میں بسنے والے تمام کے تمام انسان ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں پر جبر کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

رحمت للعالمین اور میثاقِ مدینہ

اللہ رب العالمین انسان کی روحانی ربوبیت فرماتے ہوئے بھی اس کو دین کے اکتیار کرنے میں اازاد چھوڑنا چاہتا ہے تو بھلا رحمت اللعالمین کیسے اس آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش نہ کرتا باوجود مکہ میں اس آزادی سے محروم رہنے کے مدینہ میں ہجرت کرجانے کے بعد اولین کام آپ نے یہ کیا کہ مدینہ کا اختیارو اقتدار آپؐ کے ہاتھ آتے ہی آپ نے اس بنیادی حق کی ضمانت دوسروں کو فراہم کی یہاں آکر آپؐ کا اولین کام میثاق مدینہ تھا۔جس میں آپؐ نے مکہ سے آئے ہوئے مسلمان مہاجرین مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے مسلمان انصار یہود اور عیسائی حتیٰ کہ مشرکین کے ساتھ ایک ریاست کے شہری ہوتے ہوئے امن وسلامتی کا معاہدہ کیا جس کی رو سے سب کو یکساں مذہبی اور تمام شہری آزادیاں دی گئیں۔چنانچہ سیرت ابن ہشام کے مطابق معاہدہ یوں شروع ہوتا ہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ معاہدہ یثرب (مدینہ) کے حسب ذیل گروہوں کے درمیان کیا جاتا ہے ۱ محمد رسول اللہ ۲ مہاجرین مکہ ۳ مسلمانان یثرب ۴ یثرب کے یہودی ۵ یثرب کے عیسائی ۶ یثرب کے بت پرست.................

دفعہ اول : یہ تمام گروہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ایک جماعت متصور ہونگے۔

ابن ھشام میں امت واحدہ کے الفاظ آئے ہیں (دیکھئے رحمۃ للعالمین حصہ اول مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہم نے یہ اردو ترجمہ سیرت ابن ہشام شائع کردہ مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۱۹۶۱ء سے لیا ہے جس میں

مترجم نے اپنا ترجمہ دینے کی بجائے مشہور محقق محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب ثائق کے اردو ترجمہ سے نقل کیا ہے۔ جسمیں یہود کے بارہ میں یہ شق بھی موجود ہے :

"بنی عوف کے تمام یہودی مسلمانوں میں شمار ہوں گے مگر مذہب کے لحاظ سے وہ اپنے اپنے عقیدہ کے پابند ہوں گے۔ل بنی عوف کے تمام اموال بھی انہی کے ساتھ ہوں گے اور ان پر بھی وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو بنی عوف پر ہیں۔"

قاضی سلیمان منصور پوری صاحب نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں عربی عبارت کے جستہ جستہ فقرہ دیئے ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں

۱ ھذا کتاب من محمد النبی صلعم بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب و من تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم

۲ انھم امۃ واحدۃ

ترجمہ : یہ تحریر ہے محمد النبی کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے اور کاروبار میں ان کے ساتھ شامل ہیں یہ سب لوگ ایک قوم سمجھے جائینگے۔

۳ وان یھود بنی عوف امۃ مع المؤمنین

۷ وان بطانۃ یھود کانفسھم

ترجمہ : نمبر ۳ میں بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔

نمبر ۷ یہودیوں کی دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے کہ تمام مسلمان یہود نصاریٰ اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر پر امن رہنے والے غیر مسلم عرب سب سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ایک قوم ہونگے البتہ مزہبی اختلاف برقرار رہیں گے اور ہر ایک کو اپنی مرضی سے اپنے دین ومذہب پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی حاصل ہوگی اور برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔ عجیب بات ہے کہ یہودیوں نے جنو کو اس میثاق میں نمایاں حیثیت حاصل تھی ہر موقع پر مسلمانوں کے

ساتھ غداری کی۔اس معاہدہ کی رو سے ان کو سزائیں بھی دی گئیں لیکن یہ سزائیں ان غداریوں کو وجہ ُجواز بنا کر دی گئیں ان کی آزادیاں سلب نہیں کی گئیں کیونکہ یہ کوئی رعایتیں نہ تھیں جو طاقت ور اکثریت نے اقلیت کو بخشش میں دی تھیں بلکہ برابر کے حقوق وفرائض تھے جو سب کے مشترکہ فیصلہ کے مطابق قرار پائے تھے کہ ایک فرقہ کو از خود ان کو ختم کردینے کا اختیار نہ تھا۔غزوہ تبوک کے موقع پر یہودیوں کی غداریوں کے زخم خوردہ ہونے کے باوجود وہی اذادیاں سرحدی علاقوں کے عیسائی اور دوسرے غیر مسلم قبائل کو دے دیں جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا عہد باندھا اور یہ سلسلہ دورِ نبوی کے بعد بھی جاری رہا جبکہ خلافت ثانیہ کے دور میں حضرت فاروق اعظمؓ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتوحات ہوئیں تو جہاں ایرانی اور رومی علاقوں میں زرتشتیوں، پارسیوں اور عیاسئیوں کو میثاق مدینہ والی آزادیاں دی گئیں وہاں یہودیوں کو بھی وہی آزادیاں حاصل ہوئیں جبکہ مسلمانوں کے وہاں فاتح بن کر جانے سے قبل عیسائی علاقوں میں ان کو آزادیاں حاصل نہ تھیں اور پارسیوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں یہودیوں کا کردار مسلمانوں کے ساتھ عہد مبارک نبوی سے ہی غدارانہ چلا آرہا تھا۔لیکن جہاں کہیں اور جس کسی نے کسی جرم کا ارتکاب کیا وہیں اسکو سزاد دی گئی اس کے عقائد مذہبی اور فرقہ اور دوسرے علاقوں کے اس مذہب کے ماننے والوں سے کوئی تعارض نہ کیا گیا۔حتیٰ کہ یروشلم قبلہ اول میں یہودیوں کو کئی سو سال بعد سیدنا حضرت عمرؓ نے ہی زیارت اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی وہ آزادی عطا کی جو عیسائیوں نے اپنے لئے تو جائز کر رکھی تھیں اور یہودیوں کو ان سے محروم کررکھا تھا۔مدینہ میں پے در پے غداریوں کے مرتکب یہودیوں کو ان کی غداریوں کی سزا میں اگر مسلمان چاہتے تو یروشلم سے دور رکھا جاسکتا تھا۔لیکن یہ فعل حضرت رحمۃ للعالمین کے خلیفہ کو کیسے زیب دے سکتا تھا؟ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو جس مقام کو بھی خدائے واحد کے نام پر مقدس سمجھتا ہے اسے اس کی عبادت کا حق حاصل ہے۔ان کے خیال میں اگر اس کی زیارت اور طواف اس کے ایمان کا جزو ہے تو اس کو اس سے روکنا یاسا ہی ہے جیسے کہ کسی کو جسمانی طور پر سورج کی روشنی ہوا پانی سے محروم کردینا جبکہ اللہ تعلائ قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کیلیئے فرماتا ہے :

قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذالامسکتم خشیۃ الانفاق وکان الانسان قتوراً (بنی اسرائیل:۱۰۱)

کہو کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے غیر متناہی خزانوں کے بھی مالک ہوتے تو بھی اس ڈر سے کہ کہیں یہ خرچ نہ ہوجائیں ان کو روکے رکھتے اور انسان بہت ہی تنگدل کنجوس ہے۔

رحمت للعالمین اور غیر عرب اقوام

رحمت للعالمین عالمگیر ہادی ہیں اور اس فریضہ کی ادائیگی میں رسول اکرم ﷺ نے سربراہان مملکت اور قبائلی رؤسا کو تبلیغی خطوط بھیجے کسی ایک میں بھی کسی سیاسی غلبہ کا ذکر نہ کیا صرف توحید الٰہی کا پیغام پہنچایا البتہ بطور انذار کے آپ نے ان کو ان کے انجام بد سے خبردار بھی کیا کیونکہ آپ رحمت للعالمین تھے اور جو نذیر بن کر آتا ہے وہ بھی پہلے سے انذار ی خبر دے کر دراصل لوگوں کیلئے رحمت کا ہی پیغام ہوتا ہے کہ وہ بروقت آگاہ کردیتا ہے کہ ہلاکت سے بچ جائیں۔بعض بادشاہوں اور رؤسانے انکار کیا۔آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا بعض ایمان تو نہ لائے مگر دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔آپؐ نے ان کی دوستی کو بھی مناسب طور پر قبول فرمایا بعض نے انکار کیا اور دشمنی پر اتر آئے لیکن جب تک انہوں نے حملہ یا حملہ کی تیار میں پہل نہ کی۔آپؐ نے انتظام کیا۔جیسا انہوں نے اقدام کیا اس کے مطابق مناسب امن کو تقویت پہنچانے والا ان کو جواب دیا۔بعض ایمان لے آئے تو آپؐ نے ان کی بیعت قبول فرمائی ان کو حکومت سے بیدخل نہ کیا اور نہ ہی ان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی رعایا کو زبردستی مسلمان بنائیں۔بلکہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ ان کی تمام آزادیاں برقرار رکھتے ہوئے حسن سلوک کی تعلیم دی۔حبشہ کا بادشاہ نجاشی مسلمان ہوگیا اس کا خاندان اور رعایا عیسائی رہے۔اس کی وفات پر آپ نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔اس کے بعد اس کے خاندان نے کسی عیسائی کو بادشاہ بنایا۔رعایا عیسائی رہی آپؐ نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا کہ یہاں تو ایک مسلمان فرمانروا تھا اس لئے اب اس ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہی رہے گا۔البتہ نئے نجاشی کو بھی تبلیغی خط بھیجا۔مؤرخین کے مطابق اس نے اسلام قبول نہ کیا اور معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔

حضور پر نور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جو حالات رونما ہوئے اور یہ سب ریاستیں اور بعض سلطنتیں اسلامی خلافت کے زیرِ نگیں آگئیں تو ان کی آزادیاں چھین کر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ بین الاقوامی اور بین القبائلی معاملات ایسا رخ اختیار کرتے چلے گئے کہ جنگیں ناگزیر ہوگئیں اور ان کے نتیجہ میں عوام الناس کو خواہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب کو اس سے کہیں زیادہ آزادیاں نصیب ہوئیں جو ان کو اپنے ہم قوم یا ہم مذہب حکمرانوں کے زمانہ میں

میسر تھیں۔سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو حمص کے عیسائیوں کو جزیہ کی رقم اس بنا پر واپس کی کہ اب مسلمانوں کو جنگی ضرورت کے تحت اس علاقہ کو چھوڑنا پڑرہا تھا تو اس سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ جزیہ ہر گز محکومیت کی علامت نہیں بلکہ حاکم کو یکساں سلوک اور برابر کے حقوق کی آزادیوں کے تحفظ کی یاددہانی کی علامت ہے کہ تم نے ہماری آزادیوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی ہم اس کی جزا میں یہ رقم پیش کرتے ہیں کہ ہمارے حقوق کے تحفظ میں جو تمہارے اخراجات ہوئے ان میں ہمارا بھی حصہ ہو جسکو بطور شکریہ قبول کرو۔جب حمص میں حقوق وآزادی کا تحفظ نہیں کرسکے تو پھر جزا کا استحقاق کیسے ہوا۔یہ ہے وہ انصاف اور وحدتِ انسانی کا نقطۂ عروج جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس تخلیق کائنات کا مقصد تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کے بغیر ناممکن تھا۔

رحمت للعالمین کا دائمی فیضان

یہ وہ آفاقیت ہے جس کے سایہ میں سب کو امن نصیب ہوتا ہے اور قیامت تک ہوسکتا ہے۔بشرطیکہ اس پر عمل کیا جائے۔مرورِ زمانہ سے اس کا آنکھوں سے اوجھل ہوتا قدرتی امر ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ودود ورحمان ورحیم ہوتے ہوئے ان کی ربوبیت تامہ کا یہ انتظام فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (جمعہ : ۴)

فرما کر یہ بتادیا کہ ہمارے نبی کی قوت قدسیہ ایک بار پھر عجائبات دکھائے گی جس طرح ظاہری طور پر ایک جمعہ کے روز مدینہ میں تجارتی قافلے کی پیٹھ لگنے پر بعض لوگ غلطی سے نبی اکرمؐ کو نماز میں اکیلا چھوڑ گئے اسی طرح پھر مسلمان آخری زمانہ میں اجتماعی طور پر دنیوی اشغال میں ایسے پھنس جائیں گے کہ انسانوں کے بنیادی حقوق اور روحانی ترقی خطرہ میں پڑ جائیگی تو پھر ہماری ربوبیت کے تحت ہمارے نبی کی قوت قدسیہ ان کو پکارے گی۔

ماعند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرٰزاقین (جمعہ : ۱۲)

جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل دنیوی لذات اور تجارت وغیرہ سے بہتر ہے۔اور اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

تو پس جب بھی مسلمان اپنے فرض سے غافل ہوں اور دنیوی لھو ولعب اور ذاتی اغراض کو دین پر مقدم کریں تو قرآن مجید کی سورۃ جمعہ ان کے لئے ایک تنبیہہ ہے۔

واذا روا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما (الجمعہ : ۱۲)

اور جب یہ لوگ تجارت اور اپنے کھیل یعنی اپنی جسمانی لذات کو دیکھتے ہیں تو تم کو اکیلا کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔

حالانکہ جس طرح جمعہ کی اذان پر سب کچھ چھوڑ کر نماز کی تیاری کی جاتی ہے تو اسی طرح ہر غفلت کے موقع پر فوراً چوکس وہوشیار ہوجانا چاہئے۔

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (الجمعہ : ۱۰)

اللہ کے ذکر(یعنی اس کے سامنے اپنی فرمانبرداری کے عہد کی تجدید کیلئے) جلد جلد پہنچو اور دنیوی لین دین کو چھوڑ دو اگر تم علم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

مبارک ہے جماعت احمدیہ اور اسکے افراد کہ پروانہ وار وہ لبیک کہتے ہوئے ہر سال ربوہ میں جمعہ ہوتے ہیں اور اپنے امام کیساتھ مل کر اپنے ایمان وایقان کی تجدید کرکے وہ خیر الرازقین رب العالمین کے حکم کے مطابق پھر اس کے افضال کے حصول میں کوشاں ہوتے ہیں۔جیسے فرمایا

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (جمعہ : ۴)

اور جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب وکامران ہو۔

سارے جہان میں پھیل جانا بھی رب العالمین کی اس ربوبیت عامہ کی معجزہ نمائی ہے کہ رحمت للعالمین کی قوت قدسیہ نے بعد مکانی اور زمانی کی تمام رکاوٹوں کو مغلوب کرکے

واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم (الجمعہ : ۴)

کی صداقت کو برملا ظاہر کردیا کہ جس طرح ربالعالمین کی ربوبیت کائنات کی ہر شے پر اس کی توحید کے نقش سے عیاں ہے۔اسی طرح انسانوں کی امت واحدہ بننے کا صرف اور سرف ایک زریعہ ہمارے سیدومولیٰ رسول مقبول نبی کریم رحمت للعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کی قوت قدسیہ اور آپؐ کی فیض رسانی ہے جو محض محض آپ کی اتباع سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

کل برکۃ من محمد ﷺ

فتبارک من علم و تعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت میاں معراج دین صاحب عمر

آپ اندازاً1875ء کو پیدا ہوئے۔1892ء کو بیعت کی۔

لاہور کی میاں اور رئیس فیملی کے سب سے پہلے احمدی تھے۔اور حضرت میاں چراغ دین صاحب کے قریبی عزیز تھے۔

قابل انشاء پرداز تھے اور اکثر حضرت اقدسؑ کی تائید میں ٹریکٹ لکھ کر شائع کرواتے رہتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پہلا فوٹو جو انارکلی میں لیا گیا وہ حضرت میاں صاحن نے خرید لیا تھا اور اس کی کاپیاں کرواکے جماعت میں فروخت کی تھیں۔

313رفقائے خاص کی فہرست میں74ویں نمبر پر تھے۔

آپ بہت اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔آپ کے مندرجہ ذیل مضامین مشہور ہوئے۔۱ جنتری تقدیم عمری ۲ کفارہ ۳ وحدت ۴ نیوگ اور طلاق وغیرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی کئی روایات آپ کی زبانی محفوظ ہوئیں۔

آپ 28جولائی1940ء کو بعمر 65سال وفات پاگئے۔

واقعہ صلیب کی چشم دید شہادت

حضرت حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ

آپ 1860ء کو پیدا ہوئے اور 1892ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

آپ حضرت میاں چراغ دین صاحب رئیس اعظم لاہور کے فرزند تھے۔

آپ نے مرہم عیسیٰ کے نام سے مرہم بنائی جو پوری دنیا میں مشہور ہوئی۔

313رفقائے خاص کی فہرست میں حضرت حکیم صاحب کا نام271ویں نمبر پر ہے۔

حکمت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔

آپ کچھ وقت کیلئے عارضی ابتلاء میں آکر غیر مبائعین سے بھی جاملے لیکن آپ کی سعید فطرت آپ کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف کھینچ لائی اور پھر تمام عمر خلافت کے وفادار رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی کئی روایات آپ کی زبانی محفوظ ہیں۔

آپ کا تعلق بھی لاہور سے تھا۔

28اکتوبر1934ء کو آپ کی وفات بعمر90سال ہوئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔

حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی

3مئی1869ء کو آپ پیدا ہوئے۔

اندازاً1892ء کمیں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

313رفقائے خاص کی فہرست میں آپ کا نام ویں نمبر پر درج ہے۔

آپ نے طب کی تلعیم حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب سے حاصل کی۔آپ نے ایک دوائی مفرح عنبری تیار کی جو خوب مقبول ہوئی۔

آپ حافظ قرآن تھے۔

آپ لاہور جماعت کے جنرل سیکرٹری بھی رہے اور بعد ازاں 1924ء میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی یورپ روانگی کے وقت امیر جماعت بھی رہے۔

لاہور میں کوئی کام ہوتا حضرت امام الزماں خط میں حضرت قریشی صاحب کو لکھ دیتے تھے اس طرح کے کئی بے تکلف خطوط اب بھی تاریخ احمدیت میں محفوظ ہیں۔

جماعتی ترویج کیلئے دعوت الی اللہ کے طور پر خود ٹریکٹ شائع کروائے اور اپنی دوا مفرح عنبری میں پیک کر کے ملک کے طول وعرض میں پھیلا دیا کرتے تھے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

"حکیم صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے مخلصین میں سے ہیں۔"

حضرت سید فضل شاہ صاحب

آپ1860ء میں پیدا ہوئے۔

2جنوری1891ء کو بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

محلہ ستھاں ضلع لاہور کے رہنے والے تھے۔

313رفقائے خاص کی فہرست میں239ویں نمبر پر آپ کا نام درج ہے۔

حقیقۃ الوحی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایک الہام لکھنے کے ضمن میں آپ کا ذکر فرمایا ہے کہ "عجیب بات ہے کہ اس الہام میں بشارت فضل کے لفظ سے شروع ہوتی ہے اور جس کے ہاتھ سے بروقت نزول یہ وحی قلمبند کرائی گئی اس کا نام بھی فضل ہے۔"

آپ کی اہلیہ محترمہ سکینہ بی بی صاحبہ بھی رفیقہ تھیں۔جنہوں نے 1892ء میں بیعت کی اور 1961ء میں وفات پائی۔

خلافت ثانیہ کے دور میں یکم فروری1924ء کو وفات ہوئی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب

آپ اگست1875ء کو پیدا ہوئے اور 1892ء میں لاہور میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

آپ چیفس کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق صادق تھے۔کئی دفعہ حضرت اقدس کو دبانے کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔

صاحب رؤیا وکشوف بزرگ تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کی تلاشی کے کواقعہ کے متعلق بھی آپ نے پہلے ہی خواب دیکھا تھا۔

30 ستمبر1895ء کو جو وفد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ چولہ باوانانک کی تحقیقات کیلئے گیا تھا اسمیں آپ بھی شامل تھے۔

313رفقائے خاص کی فہرست میں91ویں نمبر پر آپؓ کا نام درج ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک الہام "مبارک وہ آدمی جو اس دروازہ کے راہ سے داخل ہو" کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عزیزی ایوب بیگ کی موت نہایت نیک طور پر ہوئی ہے اور خوش نصیب وہ ہے جس کی ایسی موت ہو۔"

28اپریل 1900ء کو آپ کی وفات ہوئی۔گو آپ کی وفات بہشتی مقبرہ کے قیام سے 5سال پہلے ہوئی مگر جب بہشتی مقبرہ کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی نعش کو بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن کروادیا۔

حضرت میاں چراغ دین صاحب

آپ1847کو پیدا ہوئے۔

1893ء میں آپ بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

آپ مغل خاندان کی چغتائی شاخ میں سے تھے۔

آپ لاہور کے سرکردہ اور رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔اور اللہ کے فضل سے آپ کا سارا خاندان احمدی ہوا جس میں کئی رفقائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تھے۔

آپ کے بیٹے حضرت حکیم محمد حسین صاحب ،حضرت میاں عبدالعزیز صاحب ،حضرت میاں عبدالمجید صاحب ، میاں عبدالرشید صاحب اور حضرت میاں محمد سعید صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء میں شامل تھے۔

313کی فہرست میں بھی آپ شامل تھے۔

1904ء کے سفر لاہور میں حضرت امام الزمان نے آپ کے مکان پر قیام فرمایا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔

آ کا مکان لاہور میں جماعت احمدیہ کا مرکز تھا۔نمازوں کے علاوہ جمعہ کا جتماع بھی آپ ہی کے مکان پر ہوتا تھا۔

آپ کی وفات16مئی1920ء کو لاہور میں ہوئی۔بعد ازاں قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب

آپ 313رفقائے مسیح موعود علیہ السلام میں شامل تھے۔

آپ نومبر1886ء میں پیدا ہوئے۔

آپ بھی اپنے والد محترم حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب کے طفیل بیعت میں شامل ہوگئے۔

مارچ 1900ء میں پہلی مرتبہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

قادیان ہجرت کے بعد آپ] مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل ہوگئے۔

خلافت ثانیہ کی اولین شوریٰ میں بھی شریک تھے۔

ناظم سپلائی وسٹور کے طور پر کئی سال جلسہ سالانہ میں خدمت کی توفیق پائی۔

1924ء سے آپ مدرسہ تعلیم الاسلام کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ہی زندگی وقف کی اور بعد ازاں انگلستان میں بطور مربی خدمت کی توفیق پائی۔

کئی سال قاضی کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات کے بعد افسر لنگر خانہ کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی

آپ1873ء میں پیدا ہوئے۔

1894ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت وبیعت سے مشرف ہوئے۔

سکھوں میں سے احمدی ہوئے اور آپ کا پہلا نام جگت سنگھ تھا آپ1894ء میں ہی قبول حق کے بعد آپ کا نام عبدالرحیم رکھا گیا۔

بیعت کے بعد آپ ہجرت کرکے دیارِ محبوب قادیان چلے آئے تھے۔

آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول جیسے فاضل استاد سے حدیث، طب اور دیگر علوم حاصل کئے۔

آپ مدرسۃ تعلیم الاسلام کے مدرس کے طور پر لمبا عرسہ کام کرتے رہے۔

313رفقائے خاص میں آپ کا نام37ویں نمبر پر درج ہے۔

ہجرت کرکے پاکستان آئے لیکن 1948ء میں واپس قادیان تشریف لے گئے۔وہاں ناظر تعلیم وتربیت کے طور پر اور صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے استاد کے طور پر خدمت کی توفیق پائی۔

1952ء میں دوبارہ ربوہ تشریف لائے اور تا وفات وبرہ میں مقیم رہے۔

مالی قربانیوں میں بھی پیش پیش تھے۔1/4حصہ کے موصی تھے۔

قادیان میں آپ کو درویشی کی زندگی بھی نصیب ہوئی۔

آپ9جولائی1957ء کو ربوہ میں وفات پاگئے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔

حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب

آ پ 1843ء میں قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

1885ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور1889ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

آپ313مقدس رفقائے مسیح موعود علیہ السلام میں بھی شامل تھے۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر جہلم اور گورداسپور میں بھی شامل تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی نشانوں کے آپ گواہ تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "نزول المسیح"میں چار پیشگوئیوں کے گواہ کے طور پر آپکا ذکر کیا ہے۔

1901ء میں آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریک پر ہجرت کرکے قادیان آگئے۔

آپ مئی1904ء میں وفات پاگئے۔

آپ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کیلئے تیرہ مرتبہ قادیان آئے اور جب بھی قادیان آتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف مطالعہ کیلئے ساتھ لے جاتے۔

آپ نے دوسرے جلسہ سالانہ منعقدہ1892ء میں شمولیت کی توفیق پائی۔

آپ زبردست داعی الی اللہ تھے۔چنانچہ آپؓ ذریعہ بہت سے بزرگ احمدیت میں داخل ہوئے اور ان خوش نصیبوں میں سے گیارہ رفقائے 313کی مقدس فہرست میں بھی شامل ہیں۔

ان کے دو بیٹے 313میں شامل ہیں۔

حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب

آپ 313رفقائے خاص میں شامل تھے۔

آپ حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادہ تھے۔

آپ 23جون1881ء کو قاضی کوٹ ضلع میں پیدا ہوئے۔

آپ1901ء میں ہجرت کرکے قادیان آگئے۔

آپ اپنے والد صاحب کی بیعت کے طفیل 1889ء میں احمدیت میں داخل ہوگئے اور بعد ازاں کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔

تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے تھے۔

تعمیرات کے فن سے بھی واقف تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مزار، حضرت اماں جان کا مزار اور منارۃ المسیح آپ نے ہی تعمیر کروایا۔

آپ اولین موصیوں میں سے تھے نیز تحریک جدید کے اولین مجاہدین میں سے تھے۔

29اکتوبر1953ء کو آپ تہتر سال کی عمر میں انتقال کرگئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعد ازاں قطع رفقائے بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

آپ1887ء کو پیدا ہوئے۔

1902ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریری بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

ایک رؤیا دیکھنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت1905ء میں کی۔

آپ کپڑے وغیرہ کی تجارت کرتے تھے اور ایک دفعہ آپ نے کچھ دسترخوان حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھی بھیجے تھے۔

1908میں آپ لاہور کے میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور حضرت اقدسؑ کی وفات کے وقت وہاں حاضر تھے اور آپؑ کے جنازہ کو کندھا اپنے سعادت بھی حاصل کی۔

خلافت اولیٰ کے انتخاب میں بھی آپ شامل تھے۔

خلافت ثانیہ کے بعد فدائی اور وفادار تھے اور حضرت مصلح موعودؓ کے ہمراہ کئی سفروں میں شامل ہوئے چنانچہ سفر یورپ1924ء میں بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

سفر یورپ میں ہی دمشق میں ایک نماز کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایک کشف کی بناء پر آپ کو اس پیشگوئی کے مطابق ایک فرشتہ قرار دیا جس میں حضرت امام مہدی کو دو فرشتوں کے درمیان بیان کیا گیا ہے۔

1918ء سے حضرت مصلح موعودؓ کے معالج خصوصی رہے۔

1919ء سے1954ء تک نور ہسپتال قادیان کے انچارج میڈیکل آفیسر رہے۔آپ ایک ماہر سرجن بھی تھے۔

مئی1954ء سے 1965ء تک یعنی حضرت مصلح موعودؓ کی وفات تک قصر خلافت کے اندر ہی ایک مرہ میں حضور کے علاج اور تیمارداری کیلئے مقیم رہے۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب عمدہ مقرر تھے اور اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی تھے۔بیت الفضل لندن کی تعمیر پر آپ نے اشعار کہے دو بطور نمونہ پیش ہیں:

علم ہمارا وہاں گڑھے گا جہاں ہے اب قبضہٗ

بنا جو اپنی وہاں پڑے گی تو ٹکڑے ان کی جدا ر ہو گی۔

دعا ہے احقر کی نزد باری کہ سایہ رکھیو ہمارے سر پر

ترس نظر گر رہے گی ہم پر تو ناؤ دریا سے پار سے ہو گی

حضرت مصلح موعودؓ کی مناسبت سے ہی آپ اپنے لئے "ایازِ محمود"کا نام بھی تجویز فرمایا تھا اور اسی نام سے ڈاکٹر صاحب کی خود نوشت سوانح کتابی صور تمیں موجود ہے۔

حضرت خلیفۃ نورالدین صاحب آف جموں

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 313رفقاء میں سے تھے۔

آپ جلال پور جٹاں میں پیدا ہوئیا ور بعد ازاں جموں میں رہائش اختیار کی۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے شاگرد تھے۔

کشمیر میں قبرِ مسیح کی تحقیقات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے ذریعہ کروائی تھیں۔

آپ حضورؑ کی کتب کی طباعت اور پروف ریڈنگ وغیرہ بھی کرتے تھے درثمین کو سب سے پہلے آپ نے ہی شائع کروایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی سات کتب میں آپ کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک جگہ یوں لکھا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قبل حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّؓ عبادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تو خلیفۃ صاحب کے کمرے میں قیام فرمایا۔

آپ کو حضرت اقدسؑ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

آپ کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی۔حضرت اقدسؑ کی دعاؤں سے 1893ء میں خلیفہ عبدالرحیم صاحب پیدا ہوئے جو رفیق مسیح موعود علیہ السلام تھے۔

حضرت شیخ محمد بخش صاحب رئیس گڑیانوالہ

آپ1856ء کو کڑیانوالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔

1890ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی مشکلات کا ذکر کیا تو حضور نے مشہور نظم

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے

چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

انہیں لکھ کر دی جس سے تمام مشکلات دور ہوگئیں۔

آپ نے حضور کو کڑیانوالہ آنے کی درکواست کی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت خوش ہوئے لیکن مصروفیات کیوجہ سے نہ جاسکے۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی پیشگوئیوں اور الہامات کی سداقت کے گواہ تھے۔

کرم دین والے مقدمہ میں جہلم میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی کئی روایات آپؓ کی زبانی محفوظ ہیں۔

آپ کی اولاد اللہ کے فضل سے احمدیت پر قائم اور خادمِ سلسلہ ہے۔

آپ13 1944ء کو مولائے حقیقی سے جاملے۔

حضرت میاں محمد دین صاحب

آپ1873ء کو تحصیل کھاریان ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔

1894ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

براہین احمدیہ اور دیگر کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھکر آپ بیعت کیلئے تیار ہوگئے تھے۔

1895ء میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت اور دستی بیعت کی۔

آپ313رفقائے مسیح موعود علیہ السلام میں شامل تھے۔

اسی طرح313درویشانِ قادیان کی فہرست میں بھی آپ شامل تھے۔

آپ ابتدائی موصیوں میں سے تھے آپ کا وصیت نمبر45ہے۔

مالی قربانیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا1/5کے موصی تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب انجام آتھم (313فہرست) سراج منیر میں لنگر خانہ کیلئے چندہ دینے والوں اور کتاب البریہ میں بھی آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

آپ محترم صوفی غلام محمد صاحب کے والد محترم تھے۔

منارۃ المسیح میں بھی100 ؍آپ نے چندہ دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی کئی روایات آپ کی زبانی محفوظ ہیں۔

آپ یکم نومبر1951ء کو بعمر80سال وفات پاکر بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

حضرت پروفیسر علی احمد صاحب ایم۔اے بھاگلپوری

آپ 1877ء کو پیدا ہوئے اور 1892ء میں زبانی بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

آپ اعلیٰ سرکاروں مناصب پر فائز رہے اور نہایت پاک وصاف زندگی بسر کی۔

1908ء میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور قبل ازیں آپ سولہ سال کی عمر میں بھری مجلس میں قبل احمدیت کا اعلان کرچکے تھے۔

کئی سال آپ کو جامعۃ المبشرین میں تعلیمی خدمات بجالانے کا موقع ملا

آپ نے عمر کے آخری ایام ربوہ میں بسر کئے اور بڑھاپے کے باوجود کوشش کرکے ہر نماز بیت مبارک میں خلیفۃ المسیح کے قرب میں ادا فرماتے۔

آپ کے ایک صاحبزادے محترم میاں عبدالرحیم صاحب حضرت مصلح موعودؓ کے داماد تھے۔

آپ22جون1957ء کو وفات پاکر بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہوئے۔(جلد19)

حضرت منشی محمد جلال الدین صاحب بلانوی

313رفقائے مقدس کی فہرست میں پہلا نام آپ کا ہے۔

آپ کے والد محترم غلام قادر صاحب تھے اور آپ کی قوم مغل برلاس تھی۔

آپ نے محکمہ تعلیم اور فوج میں بھی ملازمت کی۔

1882ء یا1883ء میں حضرت اقدس ؑکی زیارت سے مشرف ہوئے اور پہلی ملاقات میں ہی آپ بدل وجان حضورؑ پر فریفتہ ہوگئے۔

اعلان بیعت کے فوراً بعد آپ نے 1889ء میں بیعت کی۔

1891-92ء میں آپ نے رؤیا دیکھی جس بناء پر حضرت اقدس ؑنے تخریج الاتیات کا کام آپ کے سپرد فرمایا۔

اس کام کے مکمل ہوتے ہی 1902ء میں آپ کی وفات ہوگئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا "منشی صاحب ہمارے بے نظیر اور یکتا دوست تھے۔"

آپ کی کوششوں سے کئی افراد کو قبول احمدیت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مخدوم محمد صدیق صاحب بھیروی

آپ1866ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔

آپ پیروں کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جنکا لقب مخدوم تھا۔

1891ء میں بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

313رفقائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فہرست میں شامل تھے۔

حضرت مصلح موعو د رضی اللہ عنہ نے آپ کا بھیرہ کا پہلا امیر مقرر فرمایا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی وفات پر فرمایا "مرحوم حضرت خلیفہ اول کے شاگردوں میں سے تھے۔نہایت خاموش طبیعت اور مخلص احمدی تھے اپنے علاقہ میں بہت ذی عزت اور صاحب وجاہت تھے۔"(الحکم جون ، جولائی1937ئ)

آپ یکم رمضان المبارک بمطابق 23فروری1928ء کو بھیرہ میں وفات پاگئے۔بذریعہ تار اطلاع ملنے پر حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

رسولِ اکرم ﷺ کی مذہبی رواداری

اللہ نورالسموت والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ ، الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ۔یکاد زیتھا یضی ولولم تمسسہ نار۔نور علی نور۔یھدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیٔ علیم (نور)

خداآسمان وزمین کا نور ہے۔ہر ایک نور جو بلندی وپستی میں نظر آتا ہے اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔وہی تمام فیوض کا مبداء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔

اس کے نور کو تمثیلی طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں اللہ کی وحی کا چراغ روشن ہے۔حضور علیہ السلام کا قلب مبارک اس چراغ کیلئے نہایت مصفیٰ شیشہ کی قندیل کی طرح ہے۔

آنحضرت ﷺ کی مبارک طبیعت، حضور علیہ السلام کی لطیف اور نورانی عقل، اور آپؐ کے فطری پاکیزہ اخلاق اس چراغ کی روشنی کا باعث ہوئے۔

وحی الٰہی چونکہ اس نبی کی فطرت کے مطابق ہوتی ہے جس پر وہ نازل ہوتی ہے اور قرآن شریف چونکہ دشت ورحمت، ہیبت وشفقت، نرمی ودرشتی کا جامع ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کا سینہ ودل اس قابل ٹھہرا کہ اس پر یہ وحی نازل ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مزاجِ مبارک غایت درجہ وضع استقامت پر واقع تھا۔نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام پر غضب مرغوبِ خاطر تھا۔بلکہ حکیمانہ طور پر محل اور موقع کی رعایت رکھنا طبیعتِ مبارک تھی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی جو جمالی اور جلالی صفات بیان کی گئی ہیں۔ہمارے حضور علیہ السلام ان کے کامل ترین مظہر تھے۔آپؐ کے وجودِ مبارک میں صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ کریمانہ کا ایک ایسا عجیب اعتدال اور توازن تھا افراط وتفریط سے پاک ایسا لطیف امتزاج تھا کہ اس پر تدبر کرنے والا سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح بے اختیار کہہ اٹھتا ہے :

لم ار مثلہ قبلہ ولا بعدہ

(میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا کوئی نہیں دیکھا)

قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی سیرت کا سب سے جامع، سب سے سچا اور زمانہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی ماخذ ہے۔وہ غیر مسلم جن ہوں نے حضورؐ کی سیرت پر کام کیا ہے وہ بھی مجوبانہ طور پر اس حقیقت کو ایک حد تک سمجھتے تھے۔مگر ہم مسلمانوں نے تو ابتداء سے ہی اپنی ماں سے عارفانہ طور پر یہ سبق سیکھا تھا۔حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا فقرہ کان خلقہ القرآن کہ قرآن حضور علیہ السلام کے اخلاق کی عکسی تصویر ہے۔روح کو وجد میں لاتا اور دل کو گرماتا ہے۔قرآن مجید نہایت خوبصورت انداز سے سیرۃ نبوی کے حسن کے جلوے دکھاتا ہے۔کبھی حضورؐ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا مظہر اتم قرار دے کر حضورؐ کی صفات کا نقشہ کھینچتا ہے کبھی حکمت وراستی سے بھرے ہوئے احکامات دے کر حضورؐ کے قلب مطہر کے رجحانات اور میلانات کی جھلک دکھاتا ہے۔کبھی ذوق صحیح اور عقلِ سلیم اور مزاجِ لطیف اور بہبودیٔ خلق پر گراں گزرنے والی چیزوں سے منع کرکے حضورؐ کے سینۂ صافی کی کیفیت بتاتا ہے۔کبھی

براہِ راست واضح طور پر آپؐ کا نام لے کر آپؐ کے خلقِ عظیم آپؐ اسوۂ حسنہ۔آپؐ کی ختمِ نبوت۔ آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا آپؐ کی معصومیت۔آپ کی رأفت۔شفقت اور محبت اور آپؐ کی عبودیتِ کاملہ۔آپ کے مقامِ محمود اور آپؐ کے سراپا محمدؐ ہونے کا ذکر کرتا ہے اور کبھی اشاروں میں کنایوں میں۔عاشقانہ طرز کے ساتھ۔کل کرنام لئے بغیر۔گفتہ آیددر حدیثِ دیگراں پر عمل کرتے ہوئے آپؐ کے درجاتِ رفیعہ کا ذکر کرتا ہے۔

خاکسار حضور علیہ السلام کی سیرۃ کے مذہبی رواداری کے پہلو پر کچھ عرض کرتا ہے۔قرآن شریف نے اصولی طور پر سیرت کے اس پہلو کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس بارہ میں دونوں غلط انتہاؤں سے پاک۔افراط وتفریط سے خالی۔حضورؐ کے اس خلق کا ایک پاکیزہ نقشہ تفصیل سے کھینچا ہے۔چنانچہ ایک عمومی اور نامکمل نظر میں قرآن شریف کے کوئی نوے مقامات سامنے آئے جہاں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مذہبی رواداری سے مراد یہ ہے کہ اپنے مذہب کو صحیح سمجھتے ہوئے مختلف مذہبی عقائد رکھنے والوں کے وجود کو تسلیم کرنا۔ان کے آزادیٔ ضمیر وعقیدہ کے حق کو قبول کرنا۔ان کے حقوق کا تحفظ اور ان کی ادائیگی کیرنا۔اختلافِ عقیدہ کو عدل وانصاف اور معروف معاشرتی تعلقات وتحفظات کے رستہ میں حائل نہ ہونے دینا۔اختلاف کی حدود کو غلط توسیع دینے کے بجائے اشتراک واتحاد کے پہلوؤں کو اجاگر کانا۔مخالف کی حقیقی خوبیوں کے اقرار میں ضد وتعصب کو روک نہ بننے دینا۔اپنے نقطۂ نظر کو مخالف تک احسن طریق سے پہنچانا۔اس کے جذبات کا خیال رکھنا۔اس کی قابل احترام شخصیات اور شعائر کی ہتک نہ کرنا اور زبان اور قلم اور ہاتھ سے ہر قسم کی جارحانہ سرگرمیوں سے بچنا۔اور ظاہر ہے کہ یہ رواداری۔یہ وصف حقیقتاً اسی صورت میں قابل تعریف ہوسکتا ہے جب انسان اپنے منصب کا پورے یقین سے قائل اور پوری شدت سے اس پر کاربند ہو۔اگر کوئی شخص عملا یا عقیدۃ خود اپنے مذہب پر قائم نہیں۔اس کے دل میں اس کی صدشاقت کا یقین ، اس کی اشاعت کیلئے تڑپ۔اس کے استحکام کیلئے کوئی جذبہ وجوش نہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس کی مذہبی رواداری دراصل اس بے حسی اور لاپرواہی کا نتیجہ ہو۔مغرب کی موجودہ چمک دمک سے غلط طور پر متاثر ہونے والے بعض دفعہ اہلِ مغرب کی مذہبی رواداری کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کی مذہبی جمود اور بے حسی کا ایک منفی پہلو ہے۔اہل مغرب کی رواداری کا جائزہ لینے کیلئے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب ان کے بین

الاقوامی سیاسی منافع پر ضرب پڑتی ہو جب ان کی معاشی برتری زد میں آرہی ہو۔جب ان کا پٹرول خطرہ میں ہو تو وہ کیا کچھ نہیں کرتے۔

ہمارے نبی ﷺ اپنے مذہبی عقائد پر جو پختہ یقین جو مستحکم ایمان رکھتے تھے۔اسلام کی اشاعت کیلئے حضورؐ کے دل میں جو تڑپ، جو جوش جو لگن، جو جذبہ تھا اس کی کدمت میں جو ثابت قدمی اور اولوالعزمی حضورؐ سے ظاہر ہوئی وہ محتاج بیان نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ مخالفین سے مذہبی رواداری کا جو نمونہ آپؐ نے پیش فرمایا وہ بھی عدیم المثال ہے۔آپؐ کی مذہبی رواداری افراط وتفریط سے پاک تھی۔نہ حضورؐ نے اختلافِ مذہب کی بنا پر مذہبی رواداری کے بلند ترین مقام سے قدم ہٹایا اور نہ ہی مذہبی رواداری کے غلط استعمال کے ذریعہ اپنے بنیادی مذہبی عقائد پر آنچ آنے دی۔حضورؐ نے مخالف سے حسنِ سلوک کیا۔مگر مداہنت کے قریب بھی نہ گئے۔اپنی ذات پر مخالف کے ظلم وستم کو برداشت کیا اور کبھی انتقام نہ لیا۔مگر خدا کے محارم کی بے حرمتی پر جلالی تجلی بھی دکھائی۔مکالف کے آزادیٔ ضمیر وعقیدہ کے حق کو قبول کیا مگر بشیر ونذیر کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو بھی احسن طریق سے ادا کیا۔مخالفین کے انبیاء واولیاء کی عظمت واحترام کے قیام کا شاندار نمونہ پیش کیا مگر غرور کے اظہار کے بغیر اس بلند تر مقام کے بیان سے رکے جو اللہ کی طرف سے آپؐ کو عطا ہوا تھا۔خود کبھی مخالف پر جارحانہ پیش قدمی نہ کی مگر اپنے زمانۂ مأموریت کے نسف سے زیادہ سال ہر قسم کے دکھوں اور حملوں پر صبر کرنے کے بعد خدا کے اذان سے دشمنوں سے جارحانہ حملوں کا منہ توڑ جواب بھی دیا۔اور مخالف کو مغلوب بھی کیا۔مگر پھر معاف کردیا۔بغیر ضد اور تعصب کے مخالفین کے بزرگوں۔ان کی کتابوں۔ان کے عقیدوں اور ان کے عوام کی خوبیوں کو تسلیم کیا مگر اپنے منصب کے لحاظ سے خود مخالفین کی ہمدردی اور ان کے فائدہ کے مد نظر ان کی جن حد بندیوں اور کمزوریوں کا ذکر کرنا ضروری تھا بلا جھجک کیا۔ ان کو دعوتِ اتحاد بھی دی مگر اپنے حق وحکمت کے اصولوں کو ترک نہ کیا۔ان سے روابط واشتراکات کو اجاگر کیا۔مگر امتیازات وخ٘صوصیات کو بھی یاد رکھا۔الغرض ایک عجیب اعتدال۔ایک لطیف توازن۔جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز نظر آتا ہے۔آپؐ کے خلقِ عظیم کے اس پہلو میں بھی نظر آتا ہے جس کو مذہبی رواداری کہا جاتا ہے۔

آپؐ کی سیرت کے اس پہلو کے متعلق چند باتیں قرآن شریف اور صحیح بخاری کی احادیث کی روشنی میں پیشِ خدمت ہیں:

پہلی بات

ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ مذہبی عدم رواداری کے اس بنیادی باعث کو کاٹ کرر کھ دیا گیا جو آپؐ کے ظہور کے وقت ساری دنیا پر ھاوی تھا۔حضورؐ سے قبل ساری مذہبی دنیا میں ملک اور قوم اور رنگ اور نسل اور زبان کے امتیاز اور برتری کی دیواریں حائل تھیں۔حضورؐ دنیا میں تشریف لائے اور دنیا کو مخاطب کرکے فرمایا

یایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموت والارض لا الہ الا اللہ

یعنی اے ساری دنیا کے لوگو! جو کسی بھی ملک اور نسل اور زبان اور زمانہ سے تعلق رکھتے ہو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کی مملکت اور ساری کائنات پر حاوی ہے۔اب ساری دنیا کے لئے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔اب کسی قوم کا یہ تصور کہ ہم ابناء اللہ واحباؤہ ہیں۔ہم خدا کی خاص قوم ہیں ختم ہوا۔سب دنیا اب ایک قوم۔ایک ملک اور ایک برادری ہے۔

مگر مذہبی رواداری کی اس عظیم مہم سے جو تاریخِ عالم میں پہلی دفعہ شروع کی گئی۔ ان اقوام کو جو ماضی میں بلندروحانی مدارج حاصل کرچکی تھیں۔یہ غلط تاثر ہو سکتا ہے کہ اب ان کو اس بلند مقام سے نیچے آنا پڑیگا جس پر وہ فائز رہ چکی ہیں۔حضورؐ نے ان کی بھی دلجوئی فرمائی اور ان کو بشارت دیتے ہوئے کہا :

ولو ان اھل الکتاب آمنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیاتھم ولادخلنا ھم جنات النعیم۔ولو انھم اقامواالتورٰۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لا من فوقھم ومن تحت ارجلھم منھم امۃ مقتصدۃ وکثیر منھم ساء مایعملون

اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ روحانی بادشاہت اب ان سے چھن رہی ہے بلکہ اس بادشاہت کے دروازے اب پہلے سے بڑھ کر انپر کھل رہے ہیں اگر وہ ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں تو جو کمزوریاں ان سے صادر ہوچکی ہیں ان کا بھی ہم اپنے فضل سے ازالہ کردیں گے اور طرح طرح کی نعماء والی جنتوں میں ان کو داخل کریں گے آسمانی رزق کے دروازے بھی ان پر کھولے جائیں گے اور اس دنیا کی نعماء بھی ان کو دی جائیں گی۔

دوسری بات

مذہبی عدم رواداری کا ایک بڑا محرک اہلِ مذاہب کا یہ احساس رہا ہے کہ ان کے پاس جو تعلیم ہے وہ ایسی نادر ونایاب ہے جس سے دیگر مذاہب کلیۃ محروم ہیں۔آنحضرت ﷺ نے مبعوث ہوتے ہی سابقہ مذاہبگ کو یہ خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موجودہ روحانی سلسلہ کی حضرت آدمؑ کے ذریعہ داغ بیل ڈالتے ہوئے ہی میری بشارت انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے الفاظ میں دے دی تھی۔ماکنت بدعا من الرسل میں کوئی نیا نبی نہیں میری تعلیم سابقہ مذاہب کی تعلیمات کا تسلسل اور تکمیل ہے میرے ظہور سے تمہارے انبیاء کی پیشگوئیاں پوری ہورہی ہیں۔اس لئے میرا ظہور میری تعلیم تم میں حسد اور تلخی اور عدم رواداری پیدا کرنے کا باعث کیوں کرہوسکتے ہیں۔

مذہبی رواداری کا یہ پہلو اپنے ساتھ یہ خطرہ بھی رکھتا تھا کہ اسلام کی دوسرے مذاہب پر حقیقی فضیلت اور برتری اور سابقہ مذاہب کے دائروں کی محدودیت نظر سے اوجھل ہوجائے اس لئے حضورؐ نے بڑے واضح اور زور دار الفاظ میں اسلام کی سابقہ مذاہب پر فضیلت اور کمال کو بھی بیان فرمادیا۔

تیسری بات

مذہبی رواداری کی عمارت کی پہلی اینٹ ہر انسان کے لئے آزادیٔ ضمیر وعقیدہ کے حق کو تسلیم کرنا ہے۔اس کے ھق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ مذہب کی تاریخ میں عدم رواداری کے بدترین مظاہرے ہوئے ہیں۔ہمارے نبی ﷺ نے اسلام کی سچائی سے بھری ہوئی تعلیم مخالفین کے سامنے پیش کردی پھر فرمایا:

قل الحق من ربکم رمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر

تمہارے رب کی طرف سے سراپا حق میں نے پیش کردیا ہے اب ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے لااکراہ فی الدین دین کے معاملہ میں کوئی جب نہیں۔

لیکن حضور علیہ السلام نے مخالفین کی ہمدردی اور بھلائی کے جذبہ کے ماتحت ان پر یہ بھی واضح کردیا۔کہ اس حق سے بھری ہوئی تعلیم کے انکار کے عواقب کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔فرمایا:

من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سرادقھا وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمحل یشوی الوجوہ بئس الشراب وسائت مرتفقا

کہ ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے مگر یہ یاد رکھو کہ عقلی دلائل اور آسمانی تائیدات کی موجودگی میں جو لوگ ظلم کی راہ سے انکار کریں گے ایسے ظالموں کیلئے ہم نے ایک ایسی آگ تیار کررکھی ہے جس کی چار دیواری ان کو قید کرلے گی۔اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایسے مشروب سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا اور چہروں کو جھلس کرر کھ دے گا۔یہ مشروب بھی بہت برا ہوگا اور وہ جائے رہائش بھی نہایت مکروہ ہوگی۔

چوتھی بات

اختلاف مذہبی ہو یا دنیوی عدل وانصاف کے خون کرنے کا باعث ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہے۔وہ اقوام جو اندرونی طور پر عدل وانصاف کے اعلیٰ ترین معیار پر قائم ہیں۔بیرونی مخالفوں کے مقابلہ میں عدل وانصاف کے سب تقاضوں کو خیر باد کہہ گئیں۔مگر جو شخص ہمارے نبی ﷺ کے ان حالات پر تفصیلی نظر ڈالے گا جو حضورؐ کو یہود اور مشرکینِ عرب کی وجہ سے پیش آئے۔ایک طرف یہود کی سازشوں اور شرارتوں اور مشرکین کے مظالم پر نظر کرے گا اور دوسری طرف حضور علیہ السلام کے عدل وانصاف کا مشاہدہ کریگا وہ حضورؐ کو اس آیتِ کریمہ کا مجسم نمونہ پائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنانقوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوااللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی خاطر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کیلئے مضبوطی اور استقامت کے ساتھ استادہ ہوجاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن چھوڑ دو۔تم عدل سے کام لو کیونکہ تقویٰ کے سب سے قریب ترین چیز عدل ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس غلط فہمی میں نہ رہو

کہ دشمنوں سے نا انصافی کرکے تم خدا کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے۔ان اللہ خبیر بما تعملون کیونکہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

پانچویں بات

مذہبی رواداری کا فقدان غیر مذاہب والوں سے حسنِ سلوک کے فقدان کا باعث بن سکتا ہے۔حضور علیہ السلام کی زندگی مخالفین کے ساتھ حسنِ سلوک کے واقعات سے تابندہ ہے۔آپ ؐ نے ظلم پر ظلم دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔دکھ اٹھائے مگر ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ پر عمل کیا اوریدرؤن بالحسنۃ السیئۃ کا بہترین نمونہ دکھایا۔فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کا علانِ عفو تاریخِ عالم کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔بخاری میں روایت ہے

کان النبی ﷺ اصحابہ یعفون عن المشرکین واھل الکتاب کما امرھم اللہ ویصبرون علی الاذیٰ

کہ رسول کریم ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہ ؓ مشرکوں اور اہلِ کتاب کی ایذارسانیوں پر عفو سے کام لیتے اور ان کے دکھوں پر صبر کرتے اور قرآن کے اس حکم پر عمل فرماتے۔

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتواالکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذیٰ کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور

کہ قضا وقدر کے مطابق اور مکالفین کی طرف سے تم پر جانی ومالی مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں گے اور ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرک اقوام سے بھی تم بہت دل آزار باتیں سنو گے لیکن اگر تم صبر کرو اور خدا کو اپنی پناہ کا ذریعہ بناؤ تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوگا۔

چھٹی بات

مذہبی رواداری مذہبی مخالفین کے جذبات کے احترام کا مطالبہ کرتی ہے۔حضور علیہ السلام نے اس لحاظ سے بیمثال نمونہ پیش کیا اور اس حد تک مخالفین کے مذہبی جذبات کے احترام کی تلقین فرمائی کہ ان لوگوں کے متعلق بھی جو پتھر اور مٹی کے بے جان اور بے حقیقت بتوں کو اس عظیم کائنات کا خالق ومالک قرار دیتے تھے یہی ارشاد کیا :-

ولا تسبواالذین یدعون من دون اللہ فیسبواللہ عدوا بغیر علم کذٰلک زینا لکم امۃ عملھم ثم الیٰ ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون

جن چیزوں کو تمہارے مخالفین خدا کے مقابلہ میں پکارتے ہیں ان کو بھی برا بھلا نہ کہو۔گالی نہ دو۔ورنہ وہ نادانی میں اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے۔بے شک ان کا یہ فعل حد درجہ نادانی کا ہے مگر ان کی محدود اور ناقص نظر اسی میں حسن دیکھتی ہے۔جزا سزا کا معاملہ خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تمہیں یہ اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت نہیں۔

حضور علیہ السلام نے مخالفین کے مذہبی پیشواؤں کی عزت واحترام کے ذریعہ ان کے جذبات کے احترام کا نہایت حسین اور حکیمانہ نمونہ پیش فرمایا۔مذہبی اختلاف کی تاریخ کا یہ پہلو نہایت تاریک اور دل دوز مناظر اپنے اندر رکھتا ہے۔حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو لا تخیرونی من بین الانبیاء اورلا تفضلو نی علی موسیٰہ کر یہ نصیحت کی کہ گزشتہ انبیاء پر حضورؐ کی فضیلت کا ذکر اس طور سے نہ کیا کریں جس سے خواہ مخواہ دوسروں کی دلآزاری ہو۔حضورؐ اور آپؐ کے ساتھ مومنوں نے ہر رسول کی تصدیق کی ہر نبی کو سچا کہا:-

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون۔کل آمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ۔لا نفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر

فرمایا کہ حضورؐ اور آپؐ کیس اتھ کے مومن اس کلام پر ایمان لائے جو آپؐ پر اتارا گیا۔ یہ ایمان سابقہ مذہب سے انقطاع کا باعث نہیں ہوا بلکہ اس ایمان کے نتیجہ میں وہ اللہ پر بھی ایمان لائے اور اس کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لائے اور اس ایمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے لا نفرق بین احد من رسلہ ہم اللہ کے رسولوں میں

کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ سمعنا واطعنا ہم نے سب انبیاء کے ذریعہ آنے والے خدائی ارشاد کو سنا اور مانا اس لئے ہم اسے سب تیری مغفرت کے طالب ہیں اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ آپؐ نے انبیاء اور بزرگوں سے وہ الزامات بھی دور فرمائے جو خود ان کے ماننے والوں نے لگائے تھے۔ ابراہیمؑ کے ماننے والوں نے عوذ باللہ ان کو جھوٹا کہا۔ حضورؐ نے صدیق قرار دیا سلیمانؑ کی قوم نے ان کو کافر اور مشرک قرار دیا۔ حضورؐ نے ما کفر سلیمان کی صدا بلند کی۔ موسیٰ کے ہاتھ کو بائبل نے کوڑھ کی بیماری بتائی اور حضورؐ نے ید بیضاء قرار دیا۔ حضرت مسیحؑ کو پولوس نے نعوذب اللہ ملعون ٹھہرایا۔ حضورؐ کی زبانِ مبارک پر مسیحؑ کو مبارکاً کہا گیا۔ کرشن کو ان کے ماننے والوں نے عیاش اور چور بنایا۔ حضورؐ نے ان کو خدا کا نبی بتایئا۔ انجیل نویسوں نے حواریوں کو مسیح کی مصیبت کے وقت غدار اور لعنت بھیجنے والا لکھا مگر حضورؐ کے ذریعہ ان کا نعرہ نحن انصار اللہ بیان کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں جو بلند ترین مقام حاصل تھا اس کا بیان بھی حضورؐ کا فرض منصبی تھا اور حضورؐ نے اپنے اس فرض کو بھی علی الاعلان ادا کیا۔ مگر اس طور سے کہ کسی کی بے جا دل شکنی نہ ہو۔ کسی کے جذبات کو خواہ مخواہ ٹھیس نہ لگے۔ بغیر گھمنڈ اور غرور کے اظہار کے اپنی ہر فضیلت بیان کی اور ہر فضیلت بیان کرتے ہوئے لا فخر کے الفاظ دوہرائے۔

مذہبی لوگوں کے جذبات اپنے معابد کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہوتے ہیںا ورغیر مذاہب کے معابد کی بے حرمتی مذہبی عدم رواداری کا نتیجہ بنتی رہی ہے۔ حضورؐ نے مذہبی رواداری کے اس پہلو کا بھی خیال فرمایا اور عرب کے اس وحشیانہ ماحول میں یہ ندا بلند کی :-

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات وما جدیذکر فیھا اسم اللہ کثیرا

کہ مسلمانوں کو جارحانہ جنگوں کے خلاف دفاع کی اجازت اس لئے بھی دی جارہی ہے کہ اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو ظلم کی نوبت یہاں تک پہنچتی کہ گوشہ گزینوں کے خلوت خانے عیسائیوں کے گرجے۔ یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے منہدم کردی جاتیں۔

ساتویں بات

مذہبی اختلاف ایک حد تک لازما بعض معاشرتی تعلقات کے دائرہ کو محدود کرتا ہے۔کیونکہ جس طرح بعض معاشرتی تعلقات گہرے علمی، عملی، زمانی، مکانی ، قومی، نسلی، ثقافتی، سیاسی، تمدنی اور ملکی اشتراکات رکھنے والوں کے درمیان ہی قائم ہوسکتے ہیں اسی طرح بعض معاشرتی تعلقات لازما مذہبی اشتراکات رکھنے والوں کے درمیان ہی قائم ہوسکتے ہیں۔مگر اس بات کا غلط استعمال یہ نتیجہ بھی پیدا کرسکتا ہے کہ اختلاف مذہب کی بناء پر جائز معاشرتی تعلقات کو ترک کردیا جائے اور یہ خطرہ بھی ممکن ہے کہ مذہبی مخالفین سے اس طور سے معاشرتی تعلقات قائم کئے جائیں جو بنیادی مذہبی صداقتوں پر ضرررساں اثر ڈالنے والے ہوں۔ہمارے نبی ﷺ نے مذہبی رواداری کی ان دونوں انتہاؤں سے پاک طریق اختیار کیا۔ایک طرف حضورؐ نے یہ تعلیم دی کہ :۔

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوالکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتوالکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین

کہ آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے جائز قرار دی جاتی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پاکدامن مومن عورتوں اور پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح تمہارے لئے جائز کیا گیا ہے۔

مگر اس اجازت کے ساتھ حضور علیہ السلام نے لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخریوٓادون من حاد اللہ میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ ایسے معاشرتی تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں جو دینی غیرت کے خلاف ہوں جن کے نتیجہ اسلامی عقائد وارکان کو خطرہ پیدا ہوتا ہو۔

آٹھویں بات

مذہبی اختلاف کی بناء پر عدم رواداری کے نتیجہ میں ایک نقص یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ مذاہب اپنے مذہبی مخالفین سے عقائد واعمال میں اشتراکات کو نظر انداز کرنے اور اختلافات کو اجاگر اور نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کے بالمقابل مذہبی ارواداری کے نام پر یہ کوشش بھی کی جاتی رہی ہے کہ جھوٹی صلح کی کھوکھلی خواہش کے

نتیجہ میں اپنے حقیقی مذہبی امتیازات اور اختلافات پر پردہ ڈالا جائے اور مداہنت کا طریق اختیار کیا جائے آنحضرت ﷺ نے اسلام کے دوسرے مذاہب سے روابط واشتراکات کا بار بار ذکر فرمایا۔چنانچہ فرمایا :-

شرع لکم من الدین ماوصیٰ بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیمواالدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ۔اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اصولی طور پر وہی دین دیا ہے جس کی تاکید اس نے نوح کو کی تھی۔اسی شریعت کو اے نبی ؐہم نے تجھ پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا ہے۔اس کی تاکید ہم نے ابراہیم ؑکو کی۔موسیٰ ؑکو اور عیسیٰ ؑکو کی اور اس شریعت اصل الاصول یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت دنیا میں قائم کرو اور دین کے متعلق جھگڑا اور تفرقہ نہ کرو۔ مشرک چونکہ خدائے واحد کے منبع سے آنے والی اس شریعت کو چھوڑ کر جو تمام مذاہب میں مشترک ہے متعدد معبودوں کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں اس لئے تمام شرائع کے اصولی طور پر اشتراک رکھنے اور ایک ہی منبع سے نکلنے کی یہ تعلیم جس کی طرف تم ان کو دعوت دیتے ہو ان پر بہت گراں گزرتی ہیں۔

مذہبی رواداری کے اس پہلو کے ساتھ حضور ؐنے اس کے غلط استعمال کا تدارک بھی فرمایا اور دوسرے مذاہب سے اختلافات وامتیازات کو بھی کھول کر بتا دیا۔فرمایا:-

قل یایھا الکافرون۔لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد۔ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد۔لکم دینکم ولیل دین

سنو اے کافرو! میں تمہارے طریق کے مطابق عبادت نہیں کرتا اور نہ تم میرے طریق کے مطابق عبادت کرتے ہو اور نہ میں ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم عبادت کرتے چلے آئے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کررہا ہوں۔یہ اعلان نتیجہ ہے اس بات کا کہ تمہارا دین تمہارے لئے ایک طریق کار مقرر کرتا ہے اور میرا دین میرے لئے دوسرا طریق کار مقرر کرتا ہے۔

نویں بات

مذہبی اختلاف کی صورت میں ہر مذہب والے کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنے نقطہ نظر کی تبلیغ دوسرے لوگوں کو کرے کیونکہ جو شخص انے پاس کچھ خیر اور بھلائی رکھتا ہے اور طاقت رکھتے ہوئے بھی دوسروں کو اس سے محروم رکھتا ہے وہ انسانی ہمدردی کی اساسی ، ذامہ داری کی کی ادائیگی میں کوتاہی کا مجرم ہے۔اپنے مؤقف کو دوسروں تک پہنچانے کی اجازت انسان کے اساسی حقوق میں سے ہے مگر مذہبی عدم رواداری کی بناء پر تبلیغ کے حق کو بھی غلط رنگ میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔حضور علیہ السلام نے خود بھی احسن رنگ میں تبلیغ فرمائی اور اپنے متبعین کو بھی یہ تعلیم دی :-

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن

کہ تم لوگوں کو دانائیا ور اچھی نصیحت کے ذریعہ اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ اور اختلافی معاملات میں اس طریق سے بحث کرو جو سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔

حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ تبلیغ کے حکم کے ساتھ حضور علیہ السلام نے یہ اجازت بھی دی کہ اگر سراسر ظلم کی راہ سے جانتے بوجھتے کوئی شخص زیادتی کرتا ہے تو اس کے جواب میں الزامی جواب کی گنجائش موجود رہے فرمایا:-

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون

یعنی اہل کتاب سے کبھی بحث نہ کرو مگر اعلیٰ اور مضبوط دلیل کے ساتھ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کرنے والے ہوں(ان کو الزامی جواب دے سکتے ہو) اور ان سے کہو کہ اکتلاف اور جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل ہوا ہے اور ہماراخدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اس ضمن میں حضورؑ نے مسلمانوں کو بھی یہ تاکید فرمائی کہ مذہبی اختلاف اور باہمی تبلیغ کو لڑائی جھگڑے اور فساد کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور غیر مذاہب والوں کو بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی۔لاحجۃ بیننا وبینک ہمارے تمہارے درمیان جھگڑے یکی کوئی بات نہیں۔ تبلیغ اور بات ہے جھگڑا اور بات ہے۔فرمایا:-

فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن وقل للذین اوتواالکتاب والامیین ااسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ

کہ اگر یہ لوگ تم سے جھگڑیں تو تم جھگڑا کرنے کے بجائے یہ کہدو کہ میں نے اور میرے سچے متبعین نے اپنے وجود کو مع اس کی تمام طاقتوں کے خدا کے سپرد کردیا ہے۔اہلِ کتاب اور امیوں کو کہدو کہ جھگڑا کرنے کے بجائے کیا یہ بہتر نہیں کہ تم بھی اپنے آپ کو خدا کو سونپ دو اگر وہ ایسا کریں تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر وہ نہ مانیں تو تمہارا کام ان سے جھگڑنا نہیں صرف ان کو پیغام پہنچا دینا ہے۔

دسویں بات

حضور علیہ السلام نے مذہبی رواداری کے قیام کیلئے ایک ایسی ااواز بلند کی جس کی کوئی مچال حضورؑ کی بعثت سے پہلے مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔حضورؑ نے مذہبی اختلافات کے باوجود مشترکہ باتوں کی بنیاد پر غیر مذاہب کو دعوتِ اتحاد دی۔فرمایا:-

قل یاھل الکتاب تعالوالی کلمۃ سواء بیننا وبینک الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدو بانا مسلمون

کہ اے اہلِ کتاب بے شک ہمارے درمیان اختلافات ہیں لیکن ہم سب عقیدۃ ایک بنیادی مشترک بات کے مدعی ہیں اور وہ توحید ہے۔پس آؤ ہم اس نقطہ پر جو ہم دونوں کے درمیان مساوی حیثیت رکھتا ہے آجائیں۔فان تولوا پھر اگر وہ ایسی منصفانہ تجویز سے منہ پھیر لیں۔فقولوا اشھدوا بانا مسلمون تو اے مسلمانو ان کو کہہ دو کہ ہم نے صلح کی پیش کش کردی ہے۔

گیارھویں بات

مذہبی عدم رواداری کا ایک اہم باعث وہ کیفیت ہے جس کو اردو زبان میں کنویں کے مینڈک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔بعض اقوام وطبقات اپنے محدود دائرہ میں اتنے لگ ہوتے ہیں کہ دوسروں کے نقطۂ نظر کو سننے سمجھنے اور ان پر تدبر کرنے کی ان کو توفیق نہیں ملتی۔مذہبی عدم رواداری کا علاج قرآن شریف نے معنوی اور ظاہری لحاظ سے دنیا میں سفر بتایا ہے۔فرماتا ہے :-

افلم یسیرو فی الارض فتوکن لھم قلوب یعقلون بھا او اُذان یسمعون بھا فانھا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

یعنی یہ لوگ دنیا میں سفر کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو ایسے دل حاصل ہوجائیں جو عقل سے کام لینے والے ہوں۔ایسے کان مل جائیں جو دوسروں کے موقف کو سن سکیں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نابینائی ظاہری آنکھوں کی نابینائی نہیں بلکہ دل کی نابینائی ہے۔

بارہویں بات

مذہبی عدم رواداری کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے مذہبی مخالفین میں جو حقیقی خوبیاں اور اچھائیاں پائی جاتی ہیں ان کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔حضور علیہ السلام نے جہاں غلط قسم کی رواداری سے بچتے ہوئے مخالفین کی کمزوریوں اور غلطیوں کو خود ان کی اصلاح اور بھلائی کی خاطر حکمت اور مصلحت کے ساتھ بیان کیا وہاں ان کی خوبیوں کا بھی اقرار کیا۔فرمایا :-

لیسو سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ اناء اللیل وھم یسجدون یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصالحین وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین

کہ سب اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں۔ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے عہد پر قائم ہیں وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کو پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔وہ اللہ پر اور آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہیں نیکی کی ہدایت کرتے ہیں۔بدی سے روکتے ہیں۔نیک کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں یہ لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ایسے لوگ جو نیکی بھی کریں۔اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

تیرہویں بات

ایک وقت میں مسیحی پادریوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا۔اب یہ مسئلہ جماعت احمدیہ لے لٹریچر اور تقدیر کے ذریعہ خوب واضح ہوچکا ہے اور اس جگہ اس بات پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اپنے مذہبی مخالفین کے خلاف جنگیں کلیتہً دفاعی نوعیت کی تھیں۔ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح حضورؐ پر جارحیت کا الزام لگایا جاسکتا ہے۔قرآن شریف فرماتا ہے :-

الا تقاتلون قوما نکثو ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدء وکم اول مرۃ اتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مؤمنین

کہ اے مومنو کیا تم اس قوم سے بھی لڑنا نہیں چاہتے جنہوں نیق سم کھا کر صلح کے معاہدات کئے اور پھر ان کو توڑڈالا اور پہلے خدا کے رسول کو مکہ سے نکالا تھا اور اب مدینہ سے بھی نکالنے کا ارادہ کررکھا ہے۔پہلی دفعہ جو جنگ شروع ہوئی اس کی ابتداء تمہاری طرف سے نہیں ہوئی تھی بلکہ خود انہوں نے حملہ کرنے میں پہل کی تھی کیا ایسے لوگوں سے تمہارے لڑنے میں کوئی ضابطہ اخلاق وقوانین حائل ہوسکتا ہے یا کیا تم ان سے ڈرتے ہو اگر تم مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

حضور علیہ السلام نے کبھی جارحانہ حملہ نہیں کیا اور دشمن جب بھی جارحانہ حملہ کے بعد صلح کی طرف مائل ہوا حضور نے صلح کو ترجیح دی اس ضمن میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضورؐ کی سریت کا جو عظیم پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔مذہبی رواداری کی تاریخ میں عدیم المثال ہے۔یوں سمجھئے کہ اسلام اور کفر کی کش مکش رواں دواں تھی حضور علیہ السلام ایک ساتھی کے ساتھ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے۔مدینہ میں آپؐ کی کچھ جمعیت قائم ہوئی۔ارد گرد کے قبائل سے کچھ معاہدات ہوئے۔چھوٹی سی اسلامی حکومت قائم ہوئی اور تیزی سے بڑھنے لگی۔مکہ کا استعمار جس کی بنیادیں مذہبی، معاشی اور ظاہری طاقت کے ذریعہ استحصال پر مبنی تھیں مدینہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہ کرسکا۔پہلا بڑا معرکہ بدر میں ہوا۔جس میں مکہ کی طاقت کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی گئی۔مکہ کے جگر گوشے اپنے کیفہ کردار کو پہنچے اور مکہ کی لیڈر شپ دبدبہ اور رعب وطاقت رکھنے والے بہادر مخالفوں کے ہاتھ سے نکل کر جوڑ توڑ اور

سازش کے ماہر دماغوں کے پاس چلی گئی۔اس سیاست نے عرب کے سارے قبائل کو اپنی سازش کے جال میں لے کر مدینہ پر حملہ آور کرادیا جو جنگِ احزاب کے نام سے معروف ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کے فضل نے جو ہمارے نبی ﷺ اور صحابہؓ کی بے پناہ قربانیوں کی شکل میں ظاہر ہوا اس حملہ کو ناکام بنادیا اب عرب دوحصوں میں بٹ گیا۔مکہ کو طاقت کے مقابلہ میں مدینہ کی طاقت بڑھتی چلی گئی۔قحط نے مکہ کی حالت کو اور بھی کمزور کردیا۔سارے عرب کی آنکھیں اب مکہ اور مدینہ کی کش مکش پر تھیں۔ایک طرف صدیوں کا مذہبی، معاشی اور سیاسی تفوق تھا دوسری طرف خدا کا رسولؐ اور اس کے جاں نثار۔عرب قبائل اس کشمکش میں رسول کریم ﷺ کی فتح کو آپؐ کا معیارِ صداقت بنا کر آخری نتیجہ کے منتظر تھے۔

اس کیفیت میں حضورؐ نے ایک خواب دیکھا۔کہ آپؐ مکہ میں عمرہ کررہے ہیں۔حضورؐ اس خواب کو پورا کرنے کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو عرب کے مسلمہ چار حرام مہینوں میں سے تھا۔ان مہینوں میں مکہ والے عرب کے بین القبائل ضابطہ قوانین کی رو سے دشمن سے دشمن کو بھی مکہ میں آنے سے نہیں روک سکتے تھے۔اور لڑائی قطعاً منع تھی۔مگر اہلِ مکہ کی سفاہت اور جہالت غالب آگئی۔اپنی جھوٹی غیرت کی وجہ سے وہ ہتھیار بند ہوکر حضور علیہ السلام کو روکنے پر تل گئے۔ان کا یہ فعل عرب کے مسلمہ ضابطہ، قوانین اور اخلاق کی کھلم کھلا توہین کے مترادف تھا۔حضور علیہ السلام اپنے صحابہؓ سمیت مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر رک گئے۔مکہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی طرح آپؐ کی گود میں گرنے کیلئے تیار تھا۔گزشتہ جنگوں میں ناکامی اور لمبے قحط سے مکہ والوں کا دفاع بالکل کمزور پڑچکا تھا۔حضور علیہ السلام نے اتنی حکمت سے نقل وحرکت فرمائی کہ خالد بن ولید جیسے تیز نظر کمانڈر کو جو مکہ والوں کے گھڑ سوار دستہ کے ساتھ حضورؐ کے قافلہ کی جاسوسی کیلئے نکلا ہوا تھا حضورؐ کی آمد کا صرف اس وقت علم ہوا جب حضورؐ کے قافلہ کی گرد اس کے دستہ پر پڑی۔مکہ والوں نے مجبور ہوکر احابیش قوم کے لوگوں سے مکہ کے دفاع کی درخواست کی۔احابیش نے مکہ کے گرد پوزیشن لے لی مگر اپنے گھر بار عورتوں بچوں مال مویشی کو اس طرح بے حفاظت چھوڑ گئے کہ حضور علیہ السلام آسانی سے ایک دستہ ان کی طرف روانہ کرکے احابیش کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کرسکتے تھے۔جنگ کے ہر نقطۂ نظر سے حضور علیہ السلام کی پوزیشن مکہ والوں کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط تھی۔آپؐ کے ساتھ صحابہؓ کے جوش وخروش کا عجیب عالم تھا ان کی تلواریں میانوں میں تڑپ رہی تھیں گزشتہ سترہ سال سے مکہ

والوں کے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا مگر حضور علیہ السلام نے جنگ کے ذریعہ فتح کو جواب یقینی ہوچکی تھی صلح پر قربان کیا۔اور مکہ والوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ لکھا جانے لگا۔یہ نظارہ بھی عجیب تھا مکہ والے سخت احساسِ مغلوبی اور شکست کے باوجود معاہدہ کی ہر شرط پر تحکم اور تعصب کا مظاہرہ کرنے لگے۔عہد نامہ کی ہر دفعہ میں انہوں نے اپنے مفاد کو مقدم رکھا اور مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ظاہری نظر میں مسلمانوں نے گر کر صلح کی۔کفار کے نمائندہ نے معاہدہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ لکھے جانے کے خلاف ضد کی۔محمد رسول اللہ کے الفاظ کٹوا کر محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھوائے۔مکہ صرف نو میل تھا اور عمرہ کرنا مسلمانوں کا عرب کے دستور کے مطابق جائز حق تھا مگر قریش نے اپنی جھوٹی عزت کے اظہار کیلئے معاہدہ میں یہی شرط لکھوائی کہ مسلمان اس وقت بغیر عمرہ کئے واپس مدینہ چلے جائیں اور مسلمانوں کیلئے یہ نہایت تکلیف دہ شرط معاہدہ میں درج کرائی کہ مدینہ کا جو شخص کفر اکتیار کرکے مکہ جانا چاہے اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہوگا مگر مکہ کا جو مسلمان قریش مکہ کی بے پناہ اذیتوں سے بچ کر مدینہ چلا جائے اس کو مدینہ سے واپس کرنا حضور علیہ السلام کی ذمہ داری ہوگی۔کفار مکہ کا اس شرط پر اصرار حددرجہ غیر منصفانہ اور مکہ کے مسلمانوں کا مستقبل تاریک کرنے والا تھا جو اس دعا میں لگے ہوئے تھے۔ربا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔مگر حضور علیہ السلام نے کفار مکہ کی ہر ضد کو قبول کیا اور جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ابھی معاہدہ زیر تحریر تھا اور آخری دستخط نہیں ہوئے تھے کہ کفار مکہ کا نمائندہ سہیل کا اپنا بیٹا ابوجندلؓ جو مسلمان ہوچکا تھا بیڑیوں میں بندھا ہوا مکہ سے فرار ہوکر اسلامی قافلہ میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔یہ غریب نوجوان اسلام لانے کی وجہ سے سخت قسم کی اذیتوں کا تختہ مشق بنایا جاتا تھا۔سہیل نے حضورؐ سے مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق اس کو مکہ واپس کیا جائے۔حضورؐ نے فرمایا ابھی معاہدہ کی تکمیل نہیں ہوئی۔معاہدہ پر عمل اس کی تکمیل کے بعد شروع ہوا کرتا ہے مگر سہیل نے ابوجندلؓ کی واپسی کے بغیر مزید معاہدہ تحریر کرنے سے انکار کردیا۔ابوجندلؓ نے اسلامی قافلہ کے درمیان اپنے آپ کو زمین پر پھینک کربلند آواز سے پکارا اور فریاد رسی چاہی یہ ایک ایسا مشکل امتحان ایک شدید ابتلا تھا کہ جس میں اللہ نے اپنے حبیبؐ کو گزارااور آپؐ ثابت قدمی سے قائم رہے۔مسلمانوں کی آنکھوں سے خون اتر رہا تھا مگر حضورؐ نے ابوجندلؓ کو واپس کرایا اور صلح کے قیام کی خاطر یہ اذیت ناک قلبی اور جذباتی دکھ برداشت کرنا گوارا فرمایا۔مسلمانوں کے سینے اس وقت بھٹی کی آگ کی طرح بھڑک رہے تھے۔حضورؐ کے 14سو ساتھی

صحابہ ؓ میں سے تیرہ سو ننانوے(1399) اس معاہدہ کو ذلت آمیز اور توہین آمیز سمجھ رہے تھے۔ان کو مکہ ایک مرے ہوئے شکار کی طرح سامنے نظر آرہا تھا اگر اس وقت ان کو اجازت مل جاتی تو شاید مکہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔

حضور علیہ السلام تو خدا کے مقدس نبی اور سید الانبیاء تھے۔اگر اس کیفیت میں آپؐ کی بجائے دنیا کی تاریخ کا کوئی بڑے سے بڑا اور محبوب سے محبوب لیڈر بھی ہوتا تو ایک منٹ کے لئے اپنے ساتھیوں کے اس جلال اور غضب کے سامنے نہ ٹھہر سکتا۔وہ لمحہ اس کی قیادت بلکہ زندگی کا آخری لمحہ ہوتا۔مگر حضور علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کی پرواہ نہ کی۔اس فتح کی طرف توجہ نہ دی جو سامنے نظر آرہی تھی۔ان مظالم کو اس وقت مدنظر نہ رکھا جو مکہ کے کمزور مسلمان مردوں۔عورتوں اور بچوں پر توڑے جارہے تھے۔ظاہری نظر میں ذلت آمیر نظر آنے والی شرطوں کو قبول کیا اور صلح کو ترجیح دی۔کہاں ہیں وہ غیر مسلم مصنف جو حضور علیہ السلام پر جارحانہ جنگوں کا الزام لگاتے ہیں۔عدم رواداری کا اعتراض کرتے ہیں۔کیا دنیا کی تاریخ سے قوت وطاقت حاصل ہوتے ہوئے پھر مذہبی رواداری کی کوئی ایسی مثال پیش کرسکتے ہیں؟

کفار مکہ نے اس معاہدہ کو اپنی فتح سمجھا۔صحابہ ؓ اس معاہدہ کو ظاہری نظر میں اپنی توہین سمجھتے تھے مگر عرش پر خدا فرمارہا تھا:۔

نا فتحنا لک فتحا مبینا